حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

سقوط ڈھاکہ
سقوط بغداد
کے آئینہ میں

ہر اس شخص کی نظر میں جو اس کائنات میں خدا کے جاری کردہ قوانین فطرت اور سنت اللہ سے واقف ہے اور اس کی ابدی اور لافانی کتاب قرآن مجید میں غور اور تدبر کا عادی اور تاریخ عالم سے باخبر ہے، یہ قومی سانحے اور تاریخی حوادث جو دنیا کے مختلف ملکوں میں اور مختلف قوموں کے ساتھ پیش آتے رہتے ہیں محض اتفاقات یا اچانک اور بے سبب واقعات کہلانے کے مستحق نہیں بلکہ یہ ان واقعات و حوادث و تنبیہوں اور تازیانوں کے طویل سلسلہ کا قدرتی اور حتمی نتیجہ ہیں۔ جن کو بروقت سمجھنے اور ان سے ٹھیک ٹھیک نتائج اخذ کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ان ہی بندوں کو ملتی ہے جو کسی درجہ میں ایمانی فراست کے حامل ہوتے ہیں اور فہم صحیح کی دولت سے محروم نہیں ہوتے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی صفت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمائی ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ۔ (سورۃ الحجر ۷۵)	اس میں صاحب فراست بندوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

یہ حوادث و مصائب زیادہ تر ان عوامل کا نتیجہ ہیں جو نفسیاتی اور اندرونی طور پر قوم و معاشرہ کی زندگی میں برابر اپنا عمل کرتے رہتے ہیں ان عوامل و اسباب کے مزاج و انداز اور ان کے تیوروں کو دیکھ کر ہر سلیم الطبع آدمی اس بات کی پیشین گوئی کر سکتا ہے کہ اس قوم اور معاشرہ کا یہ انجام ہونے والا ہے، اس کے لئے نہ اس کو کسی وحی و الہام کی ضرورت ہے، نہ کسی غیر معمولی ذہانت اور باریک بینی کی۔ وہ محض ان عوامل کو اپنے پیش نظر رکھ کر ان کے انجام کو اسی طرح بتا سکتا ہے جس طرح وہ شخص جو بارش کے اوقات و علامات جانتا ہے اس کے آثار دیکھ کر بارش کی پیشین گوئی کر سکتا ہے بلکہ اس کا وقت بھی متعین کر دیتا ہے۔ حالانکہ اس کی معلومات صرف موسم کے تغیرات سے باخبری، ملک کی آب و ہوا کے صحیح علم اور اپنے مسلسل تجربوں پر مبنی ہوتی ہیں یا جس طرح قدیم زمانہ میں عرب کے بدو اپنے تجربہ کی مدد سے بارش اور آندھی

کے اوقات بتادیا کرتے تھے یا آج کی جدید رصدگاہوں کے ماہرین فلکیات و موسمیات پہلے سے اس کی خبر دیدیتے ہیں۔

پانچویں صدی ہجری میں بیت المقدس پر صلیبیوں کا تسلط اور اس کے بعد ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر تاتاریوں کی یورش اور بغداد کی پامالی محض بے سر پیر کے واقعات نہیں تھے جن کو صرف تقدیر کی گردش اور قسمت کی خرابی اور اتفاق زمانہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیا جائے ...... یہ دونوں واقعات دراصل اس طویل سلسلہ اسباب کا نتیجہ تھے جس میں اخلاقی امراض، حد سے بڑھی ہوئی بے اعتدالی و کج روی، مجرمانہ افعال و حرکات، مسلسل مغالطے اور خود فریبیاں اور ایسے حالات کی موجودگی شامل ہے جس میں کسی زمانہ اور کسی جگہ بھی باقی رہنے کی صلاحیت نہیں اور سب سے بڑھکر زندگی کا وہ طرز جو خدا اور رسول کو ناپسند ہے اور جو دین صحیح اور عقل سلیم کسی اعتبار سے بھی جائز نہیں۔

اگر ہم تاریخ و تراجم، سیر و سوانح اور شعر و ادب کے اس ذخیرہ پر نظر ڈالیں جس میں اس عہد کے معاشرہ کی عکاسی اور اس کے رجحانات و میلانات کی سچی تصویر موجود ہے، تاریخ کی ان کتابوں کا مطالعہ کریں جس میں ہر سن کے اہم واقعات قلمبند کئے گئے ہیں یا صرف سقوط بغداد سے قبل اور سقوط کے بعد کی تاریخ دیکھ لیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ تاتاریوں کی تباہ کاری اور بغداد کی تباہی (نعوذ باللہ) قدرت کا کوئی اندھا بہرا فیصلہ نہیں تھا بلکہ خداے عزیز و علیم کی حکمت و اندازہ کا نتیجہ اور تقاضا تھا۔

اس سلسلہ میں یہ چند سطریں ہمارے لئے کافی ہیں جو ساتویں صدی ہجری کے ایک عرب مصنف و مؤرخ ابوالحسن خزرجی نے بغداد پر تاتاریوں کے قبضہ سے پہلے اہل بغداد کی حالت بیان کرتے ہوئے قلمبند کی ہیں۔

"انہیں صرف اپنی جائدادیں بنانے اور آمدنی بڑھانے کی فکر تھی۔ ملک کے اجتماعی مصالح اور مفاد عامہ سے ان کو کچھ دلچسپی نہ تھی۔ وہ ان دنیاوی امور میں مشغول تھے جن کا کوئی جواز نہیں، حکام کا ظلم بہت بڑھ چکا تھا اور وہ صرف استحصال و انتفاع میں لگے ہوئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ حکومت کفر کے ساتھ تو چل سکتی ہے، لیکن ظلم کے ساتھ زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہ سکتی۔" (العسجد المسبوک)

دسویں صدی کے ایک مشہور عالم و مؤرخ مفتی قطب الدین نہروالی مستعصم کے عہد میں اہل بغداد کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"نرم و گرم مسندوں میں آسودہ بغداد کے کنارے چین کی بانسری بجاتے وقت آب رواں

اور صحن گلشن کے عادی دوست احباب کی محفلیں گرم اور دستر خوان میووں اور مشروبات سے پر۔ انہوں نے نہ کبھی حرب و ضرب سے واسطہ رکھا نہ جنگ کی تلخی سے ان کے کام و دہن آشنا ہوئے۔" (الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ص۱۸۱ یورپین ایڈیشن)

ملت پر جو مصائب آتے ہیں یا اس کے کسی جزء یا عنصر کو وسیع اسلامی دنیا کے کسی حصہ میں بھی کسی شکست و ذلت یا چشم زخم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تو اس کی حیثیت نہ کسی مقامی واقعہ کی ہوتی ہے نہ کسی وقتی حادثہ کی جس کو اس ملک یا اس زمانہ کے ساتھ مخصوص سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے، بغداد کی تباہی بہت کچھ ان لوگوں کی نا اہلی کا نتیجہ تھا جن کے ہاتھوں میں زمام کار تھی یا چند امراء اور وزراء کی ضمیر فروشی یا دین و ملت سے غداری کا، جنہوں نے اپنے محدود و مذموم مقاصد کے ماتحت تاتاریوں کو حملہ کی دعوت دی تھی۔ لیکن مورخین اسلام نے اس واقعہ کو تاریخ اسلام کا ایک جزء بنا دیا۔ جو اس وقت سے اس وقت تک برابر دہرایا جاتا رہا ہے۔ اس کے وسیع اسباب و علل تلاش کئے۔ جن لوگوں پر اس واقعہ کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی ان کا سراغ لگایا۔ ان کا بغیر کسی رو رعایت کے احتساب کیا۔ اپنے اس فریضہ کے ادا کرنے میں جو دشوار بھی تھا اور ناخوشگوار بھی۔ نہ آخری خلیفہ مستعصم باللہ کی ذاتی دین داری، مذہبی زندگی، اور نیک نفسی ان کی تنقید و احتساب کی راہ میں حائل ہوئی، نہ وزیر ابن العلقمی کی قابلیت اور اس کے فرقہ کی مظلومیت مانع ہوئی اور نہ محقق نصیر الدین طوسی کا یگانہ علم و فضل اور اس کی جلیل القدر علمی خدمات ان کا قلم پکڑ سکیں، اس المیہ کے وقوع میں جسکا جتنا حصہ تھا، انہوں نے پوری بیباکی کے ساتھ اس کا تعین کیا۔ اور اس حیثیت سے ہمیشہ کے لئے ان کے ناموں کو تاریخ میں محفوظ کر دیا۔ اسی طرح آخری خوارزمی سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کی اس بے دانشی اور ناعاقبت اندیشی کو انہوں نے آج تک معاف نہیں کیا۔ جو تاتاریوں کے حملہ اور عالم اسلام کی عالمگیر مصیبت کا اصل سبب تھی۔

ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ میں ان بے وفاؤں اور ضمیر فروشوں کا نام ہمیشہ لیا جاتا رہے گا۔ جو کسی جانباز مسلمان بادشاہ یا کسی باحمیت اور غیور مجاہد کے منصوبے کو ناکام بنانے اور اس کی جانفشانیوں اور سرفروشیوں پر پانی پھیرنے کے ذمہ دار تھے۔ اس سلسلہ میں بنگال کے میر جعفر، دکن کے میر صادق اور غلام علی اور ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے ملت فروشوں کا نام ضرور لیا جائے گا۔ ملت میں حمیت و غیرت کے قائم رکھنے، دوست دشمن کو پہچاننے اور اپنا احتساب کرنے کی عادت باقی رکھنے کے لئے یہ ناخوشگوار فرض انجام دینا ضروری ہے۔ خواہ اس کے لئے دل پر پتھر رکھنا پڑے۔ بڑی بڑی جنگوں میں شکستوں کے اسباب

کا دریافت کرنا، ناکامیابیوں کے علل واسباب سے بحث کرنا فلسفہ تاریخ کا ایک ضروری باب اور قوموں کی زندگی وحفاظت کا ایک اہم راز ہے، اس لئے گزشتہ دو عظیم عالمگیر جنگوں (۱۹۱۴ء ـ ۱۹۱۸ء، ۱۹۳۹ء ـ ۱۹۴۵ء) پر ناقدانہ اور محققانہ کتابوں کا سلسلہ یورپ میں ابھی تک بند نہیں ہوا۔ اور جن ملکوں نے ان دونوں جنگوں میں شکست کھائی انہوں نے اپنے قائدین کے احتساب میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا۔ اور آج بھی ان کا ضمیر اور قلم اس کام میں مشغول ہے۔

۵ رجون ۱۹۶۷ء کی شکست اس حیثیت سے بھی کوئی مقامی اور علاقائی واقعہ اور وقتی اور ہنگامی حادثہ نہ تھا کہ اولاً اس کا تعلق مسجد اقصیٰ اور فلسطین کی متبرک سرزمین سے تھا جس سے مسلمانوں کو دینی، تاریخی اور جذباتی لگاؤ اور گہری وابستگی ہے۔ ثانیاً ان عربوں سے جو دراصل اسلام کا راس المال اور اس کی اشاعت وترقی کا سرچشمہ ہیں۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ اس نے دنیا کے سارے مسلمانوں کو ساری دنیا کی نگاہ میں ذلیل وخفیف کر دیا۔ اور اس ساکھ کو ختم کر دیا جو غلط یا صحیح طور پہ صدیوں سے قائم چلی آ رہی تھی۔ اور سب جانتے ہیں کہ کسی تاجر یا کمپنی کی اصل دولت اس کی تجارتی ساکھ اور کسی حکومت یا سلطنت کی اصل طاقت اس کی سیاسی دھاگ ہوتی ہے، اسی بنا پر کسی فرم کا نام یا ٹریڈ مارک بڑی سے بڑی قیمت دیکر خریدا جاتا ہے۔ کہ اس کے ساتھ اس کی تاریخ اور سالہا سال کے تجربے وابستہ ہوتے ہیں اور اس شکست کا سب سے تاریک پہلو یہ تھا کہ عربوں کی اور ان کے ساتھ ان مسلمانوں کی جنگی عزت ان سے وابستہ تھی ساکھ ختم ہو گئی اور وہ دھاگ جاتی رہی جو صدیوں سے دلوں پہ بیٹھی تھی۔ اس لئے یہ واقعہ کسی حیثیت سے بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں اور کسی مسلمان صاحب قلم یا ناقد ومفکر کو یہ کہہ کر روکا نہیں جا سکتا کہ یہ عربوں کا اپنا معاملہ تھا۔ اس پر ہمیں بحث کرنے کی ضرورت نہیں، نیز اس شکست میں ایسے عبر وبصائر مضمر ہیں جو قرآن مجید کے اعجاز کا اعلان اور اسکی صداقت کو عالم آشکارا کرتے ہیں۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا، اس سے قرآن مجید کے فہم اور ایمان کی ازدیاد وترقی میں کام نہ لینا، اس سے مختلف اسلامی ملکوں اور اقوام کو سبق لینے کی دعوت نہ دینا ایک کھلی ہوئی نشانی سے آنکھیں بند کر لینا ہے اور ایک نادر موقع کھو دینے کے مترادف ہے۔

وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ۔	زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گذرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔

(سورہ یوسف - ۱۰۵)

...

(از عالم عربی کا المیہ)